

صلوٰۃ (نماز)

[یہ مصنف کی طبع شدہ کتاب ”اسلامی عبادات: تحقیقی مطالعہ“ کا ایک جز ہے۔ قارئین ”اشراق“ کے افادے کے لیے اس کتاب کے جملہ مباحث بالا قساط شائع کیے جا رہے ہیں۔]

اسلام کی طرح یہودیت اور عیسائیت میں بھی نماز (Prayer) فرض ہے، لیکن اجزائے ترکیبی، اوقات اور طریقہ ادا کرنے کے لحاظ سے ان میں نمایاں فرق ہے۔ صلوٰۃ (نماز) پر گفتگو سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں کی نماز کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اسلام کی نماز کے امتیازی اوصاف واضح ہوں۔

یہودیوں کی نماز

یہودی مذہب میں نماز کی حقیقت خدا کا شکر بجالانا اور گناہوں کی معافی چاہنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا نے زندگی دی اور تورات عطا کی اس لیے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعریف کی جائے اور اس کا شکر بجالایا جائے۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریجن کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"Confession and repentance of sin on the one hand, and thanks giving on the other, are perhaps the two most important parts of worship."

”یہودی عبادت دو اہم اجزاء پر مشتمل ہے، ایک اعتراف گناہ اور توبہ و استغفار، اور دوسرا ظہار تشکر۔“

(دی انسائیکلو پیڈیا آف ریجن (نیویارک/لندن ۱۹۸۷) ۱۵/۴۶۶-۴۶۷-۴۶۷)

* آرزیڈ ۹۰ بی، فلیٹ نمبر ۴۰۲، تعلق آبادا کیشن، نئی دہلی-۱۹۔

نقطہ نظر

یہودی مذہب میں انفرادی اور اجتماعی دونوں نمازیں ہیں۔ انفرادی نماز کسی وقت ادا کی جاسکتی ہے بالخصوص کسی اہم واقعہ کے ظہور پذیر یا بیماری سے شفا یابی یا سبت (Sabbath) کے موقع پر روشنی کرتے وقت^۱۔

اجتماعی نماز دن میں تین بار ہوتی ہے اور یہ عبادت خانوں (Synagogues) میں ادا کی جاتی ہے۔ تورات کا عالم (ربی) ان کو نماز پڑھاتا ہے۔ ہفتہ یعنی سنبڑ کے دن زیادہ بڑا اجتماع ہوتا ہے جس میں تورات کو اونچی آواز میں پڑھا جاتا ہے۔ اس میں تمام اسرائیلی مرد اور عورت شرکت کرتے ہیں۔

یہودی اپنی نمازوں میں قدرے ترنم کے ساتھ تورات کی آیات تلاوت کرتے ہیں۔ دوران نماز وہ کبھی مراقبے میں چلے جاتے ہیں، کبھی زور سے خدا کو پکارتے ہیں، کبھی کھڑے رہتے ہیں، کبھی کھڑے کھڑے جھومتے ہیں، کبھی جھکتے اور سجدہ کرتے ہیں۔ نماز کے وقت ان کا رخ یروشلم کی طرف ہوتا ہے۔

عیسائیوں کی نماز

عیسائیوں کی نماز میں واقعہ صلیب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دی گئی اور اتوار کو، عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق، وہ جی اٹھے۔ چنانچہ پہلی صدی عیسوی تک عیسائی بطور تشکر روٹی اور شراب نمازوں میں پیش کرتے تھے۔ یہ دونوں چیزیں، ان کے عقیدہ کے مطابق، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اور خون کی علامت کی حیثیت رکھتی تھیں^۲۔

لیکن دوسری صدی عیسوی میں روٹی اور شراب کی رسم کی ادائیگی سے پہلے انجیل کی تلاوت کی جانے لگی۔ تلاوت کے بعد امام بتاتا کہ ابھی جو تلاوت کی گئی ہے اس کا مفہوم کیا ہے۔ اس کے بعد وہ وعظ کہتا اور لوگوں کو اچھے اعمال کی تلقین کرتا، بعد ازاں عبادت میں شریک لوگ ایک دوسرے کے لیے دعاے خیر کرتے۔ اس کے بعد مقدس عشاء ربانی (The Eucharist) یعنی روٹی اور شراب کو میز پر رکھا جاتا۔ ان رسوم کی ادائیگی کے بعد نماز ادا کی جاتی تھی^۳۔

۱۔ دی انسائیکلو پیڈیا آف ریجن ۱۵/۴۳۵۔

۲۔ دی انسائیکلو پیڈیا آف ریجن ۱۵/۴۳۹۔

۳۔ نویں صدی عیسوی سے تمام مغربی چرچوں میں روٹی اور شراب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں تبدیل کر دیا گیا، یعنی یہ میرا جسم اور یہ میرا خون ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف ریجن ۱۵/۴۳۹)

۴۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریجن ۱۱/۴۵۰۔

جس طرح عیسائیوں میں طریقہ نماز شروع سے غیر متعین رہا اور وہ برابر بدلتا رہا اسی طرح نماز کے اوقات بھی متعین نہیں تھے۔ شروع میں تین وقت کی نمازیں تھیں لیکن ان کا وقت واضح طور پر مقرر نہ تھا۔ ایک روایت ہے کہ صبح و شام اور آدھی رات کے علاوہ دن کے تیسرے، چھٹے اور نویں گھنٹے میں نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ یہ انفرادی نمازیں تھیں۔ شروع میں صبح کی نماز اجتماعی تھی۔ کبھی شام کی نماز بھی اجتماعی طور پر ادا کی جاتی تھی۔ لیکن چوتھی صدی عیسوی میں صبح و شام کی نمازیں باقاعدہ اجتماعی طور پر ادا کی جانے لگیں۔ سوہویں صدی میں اس میں مزید اصلاح ہوئی اور انفرادی نمازوں کو بھی دن کے دو اوقات میں خاص کر دیا گیا یعنی صبح و شام۔ بیسویں صدی میں یہ اصلاح کی گئی کہ صبح و شام کی اجتماعی نماز کو باقی رکھا گیا، لیکن درمیان میں نفل نمازیں بھی رکھی گئیں جن کی ادائیگی نمازی کی مرضی پر موقوف ہے۔ اس کے علاوہ ہفتہ میں ایک بار اتوار کے روز اجتماعی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس میں زبور کی تلاوت ضروری ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی نماز کے اس مختصر ذکر کے بعد اب ہم صلوٰۃ یعنی اسلامی نماز کا تفصیلی ذکر کرتے ہیں، لیکن اس سے پہلے لفظ صلوٰۃ کے لغوی اور قرآنی معانی پر ایک اجمالی نظر ڈال لینا ضروری ہے تاکہ اس کے مغز و جوہر تک رسائی ہو سکے۔

صلوٰۃ کے لغوی معنی

لفظ صلوٰۃ باعتبار مادہ نہایت قدیم ہے۔ کلدانی اور عبرانی دونوں میں گو کہ اس کا امل مختلف ہے، لیکن تلفظ ایک ہے یعنی صلا۔ اس مادے میں جلانے کا مفہوم غالب ہے۔ چنانچہ عبرانی میں اس کے معنی جلانے اور کباب کرنے کے ہیں۔ عربی میں بھی اس کے یہی معنی ہیں۔ اس کے علاوہ آگ میں لکڑی تپا کر اس کو سیدھا کرنے کا مفہوم بھی اس میں داخل ہے۔

قدیم زمانے میں دعا اور عبادت کے وقت آگ یا بخور جلاتے تھے۔ اسی مناسبت سے آگے چل کر یہ عمل صلوٰۃ کہلایا۔ کلدانی، عبرانی اور سریانی، تینوں زبانوں میں یہ لفظ دعا اور عبادت کے لیے مستعمل رہا ہے۔ عربی میں بھی دعا اور عبادت کے لیے اس کا استعمال قدیم ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً ۝ ”کعبہ کے پاس مشرکین کی نماز محض سیٹی اور تالیاں

۵ انسائیکلو پیڈیا آف ریلین ۴۵۱/۱۱۔

۶ یہودی مذہب میں مذبح پر قربانی کے گوشت کو جلانا ایک بڑی عبادت سمجھا جاتا ہے۔

نقطہ نظر

وَتَصَدِّیْقَةٍ. (سورۃ انفال ۸: ۳۵) بجانا تھا۔“

امام راغب صلوٰۃ کے لغوی معنی کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”بہت سے اہل لغت کا بیان ہے کہ صلوٰۃ کے معنی دعا کرنے، برکت مانگنے اور بزرگی سے یاد کرنے کے ہیں۔ بولا جاتا ہے: ’صلیت علیہ‘ یعنی میں نے اس کے لیے دعا کی اور بزرگی سے یاد کیا۔ آں حضرت کا ارشاد ہے: ’اذا دعا احدکم الی طعام فلیجب وان کان صائماً فلیصل‘ ”جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے تو دعوت قبول کرنا چاہیے اور اگر روزہ دار ہو تو دعا کرنا چاہیے (یعنی دعوت کرنے والے کے حق میں دعا کرے)۔“ (مفردات راغب ۲۸۵)

اس سلسلے میں مولانا فراہی کی تحقیق قابل ذکر ہے:

”صلوٰۃ (نماز) کا اصل مفہوم اقبال الی الشیء ہے، یعنی کسی شے کی طرف بڑھنا اور لپکنا۔ یہی مفہوم رکوع، تعظیم اور دعا کا بھی ہے۔ یہ کلمہ نماز و عبادت کے لیے قدیم زمانہ سے مستعمل ہے۔ کلدانی میں دعا اور تضرع کے لیے اور عبرانی میں نماز اور رکوع کے لیے آیا ہے۔“ (رسالہ فی اصلاح الناس ۸)

انہوں نے مزید لکھا ہے:

”نماز نہ صرف ذریعہ تقرب بلکہ عین تقرب ہے۔ میرے خیال میں عربی میں صلوٰۃ کا اصل مفہوم بھی قربت قریبہ ہی کا ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف بڑھنا اور اس میں داخل ہو جانا۔ اسی لیے گھوڑ دوڑ کے اس گھوڑے کو جو اگلے گھوڑے کے بعد ہو مصلی کہتے ہیں۔ جو شخص آگ کے پاس نہایت قریب ہو کر تاپ رہا ہو اس کو صالی کہتے ہیں۔ یہی لفظ اس شخص کے لیے استعمال کیا جائے گا جو آگ میں گھس جائے۔“

(رسالہ فی اصلاح الناس ۳۹-۴۰)

اس لغوی تحقیق کے بعد یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ قرآن میں یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہوا ہے تاکہ صلوٰۃ کا قطعی مفہوم متعین کیا جاسکے۔ قرآن میں یہ لفظ دعا کے معنی میں ایک سے زیادہ مقامات پر استعمال ہوا ہے، اور دعا توجہ

الی اللہ ہی کی ایک صورت ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے:

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا لِلَّهِ
وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ. (سورۃ توبہ ۹: ۹۹)

”اور ان بدویوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو تقرب الہی اور رسول کی دعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔“

سورۃ توبہ ہی میں دوسری جگہ ہے:

نقطہ نظر

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (۱۰۳)

”اور ان کے لیے دعا کرو، بے شک تمہاری دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے، اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

سورہ نور میں بھی یہ لفظ دعائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

الَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفْتٍ كُلِّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ. (۴۱:۲۳)

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور پرندے بھی پروں کو پھیلانے ہوئے، اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے۔ اور اللہ پوری طرح باخبر ہے اس سے جو وہ کرتے ہیں۔“

اس آیت میں تسبیح کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور صلوة پر عطف ہے، جس سے مقصود اس کی تشریح ہے۔ تسبیح کے معنی بلند آواز سے کسی کو پکارنے اور اس کی بڑائی بیان کرنے کے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے:

قبح اللہ وجوه تغلب كلما
سبح الحجيج و كبروا اهلا

”خدا قبیلہ بنی تغلب والوں کے منہ کو ہر ایسے موقع پر کالا کرے جب کہ حاجی لوگ دعا کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کریں اور تکبیر و تہلیل کریں۔“

صلوة بمعنی دعا کی مزید تشریح آیہ مذکورہ بالا میں ”صلوة الطیر“ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو ایک مشاہداتی حقیقت ہے۔ صبح و شام کے مقررہ اوقات میں چڑیوں کی زمزمہ سنی دراصل خدا کی تسبیح کی ایک صوتی شکل ہے۔ ”صلا“ ہی سے تصلیہ ہے یعنی دعا کرنا۔ عرب کا ایک شاعر ابو قیس بن اسلمت جاہلی یثربی کہتا ہے:

قوموا فصلو ربکم وتعوذوا
بارکان هذا البيت بين الاخشاب

”کھڑے ہو کر اپنے رب سے دعا کرو اور اس گھر کے ستونوں کی پناہ لو جو پہاڑوں کے درمیان ہے۔“

معلوم ہوا کہ صلوة کے اصلی معنی دعا کے ہیں۔ عبادت خانہ کو بھی صلوة کہا جاتا ہے۔ عبرانی میں اس کو صلوتا کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

بے الاقان فی علوم القرآن، ۱۴۰/۱۔

نقطہ نظر

”اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ
 لَهِدَمْتُ صَوَامِعُ وَيَبِيعُ وَصَلَوَاتُ
 وَمَسْجِدُ يُذَكِّرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا.
 میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، ڈھا دیے گئے
 (سورہ حج ۲۲: ۴۰) ہوتے۔“

وہ صلوٰۃ جو ایک مخصوص عبادت ہے یعنی نماز اس کی اصل بھی دعا ہے۔ جس طرح کسی شے کو اس کے اہم جز سے
 موسوم کرتے ہیں اسی طرح یہ عبادت بھی صلوٰۃ سے موسوم ہوئی کہ اس کا بڑا حصہ خدا کی حمد و تسبیح اور اس کی مناجات پر
 مشتمل ہے۔

لیکن شرع میں جب صلوٰۃ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے اصطلاحی معنی مراد ہوتے ہیں، یعنی ایک مخصوص بدنی
 عبادت (نماز) جو شب و روز کے پانچ معینہ اوقات میں ادا کی جاتی ہے۔

اقامت صلوٰۃ کا مفہوم

قرآن میں اَقِيمُوا الصَّلَاةَ کا جملہ بکثرت مقامات پر آیا ہے۔ اس لیے صلوٰۃ کے بعد اقامت کے معنی و مفہوم
 سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ اقامت کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح کھڑا کرنے کے ہیں کہ اس میں کوئی کجی نہ
 ہو۔ اگر کسی لکڑی کو بالکل سیدھا کھڑا کر دیا جائے تو کہا جائے گا: اقام العود۔ اسی معنی میں قرآن مجید میں ہے:
 فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ
 فَاقَامَهُ. (سورہ کہف: ۸۱: ۷۷)
 ”وہاں ان دونوں نے ایک دیوار کو اس حال میں پایا
 کہ وہ بالکل گرا چاہتی تھی پس اس نے وہ دیوار سیدھی
 یعنی کھڑی کر دی۔“

حدیث میں آیا ہے:

”اللہ ان (آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح اس
 لن يقبضه حتى يقيم به الملة العوجاء.
 (بخاری، کتاب البیوع) وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک کہ ملت عوجاء
 (ملت عرب) کو سیدھا نہ کر دے۔“^۵

اقامت کے دوسرے معنی کسی کام کو اس طرح انجام دینے کے ہیں کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔ اقامة الشيء:

توفية حقه، اس سلسلے میں قرآن کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔ فرمایا گیا:

۵ ملت عرب کی کجی ان کا شرک تھا اور ان کو سیدھا کرنے سے مراد تو حید پر ان کو قائم کرنا تھا۔

نقطہ نظر

”کہہ دو، اے اہل کتاب، تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو
تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ
مِنْ رَبِّكُمْ. (سورہ مائدہ ۵: ۶۸)
رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے، قائم نہ
کرو۔“

اس آیت میں تورات، انجیل اور اس چیز، یعنی قرآن کی اقامت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کتابوں کی ٹھیک ٹھیک تلاوت
کی جائے، ان کے احکام و ہدایات پر کسی کمی و بیشی کے بغیر عمل کیا جائے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَأَشْهَدُوا ذَوِي عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا
الشَّهَادَةَ لِلَّهِ. (سورہ طلاق ۶۵: ۲۰)
”اپنے میں سے دو ثقہ آدمیوں کو گواہ بنا لو اور اللہ کے
لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔“

اس آیت میں اقامت شہادت کا مفہوم، جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے، یہ ہے کہ شہادت ٹھیک ٹھیک حق و انصاف
کے مطابق سب کے سامنے دی جائے۔ کسی خوف یا طمع کی وجہ سے شہادت میں کتر بیونت نہ ہو، بلکہ صورت معاملہ کو
جوں کا توں بیان کر دیا جائے۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے:

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا
الْمِيزَانَ. (سورہ حُجُرَات ۵۵: ۹)
”انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک تولو اور تول میں کمی نہ
کرو۔“

اس آیت میں اقامت وزن کا مطلب تول میں انصاف کا حق ادا کرنا ہے، یعنی ترازو مستقیم ہو، باٹ صحیح ہو اور
نیک نیتی سے وزن کیا جائے۔ یہ صحیح وزن کے شرائط ہیں۔ اگر ظاہری تول تو ٹھیک ہو، یعنی ترازو کے دونوں پلڑے
برابر ہوں، لیکن باٹ صحیح نہ ہو تو تول کی یہ ظاہری درستی کوئی معنی نہیں رکھتی اور اس صحیح وزن کا اطلاق نہ ہوگا۔ اسی طرح
باٹ تو صحیح ہو، لیکن ترازو کے دونوں پلڑے برابر نہ ہوں تو اس کو بھی صحیح وزن نہیں کہیں گے۔ فی الواقع صحیح وزن اور
درست تول وہ ہے جس میں باٹ اور ترازو کی ظاہری درستی کے ساتھ جذبہ نیک نیتی بھی شامل ہو۔ باٹ کتنا ہی صحیح
ہو، ترازو کتنا ہی مستقیم ہو مگر دل میں کھوٹ ہو، یعنی ایمان داری نہ ہو تو ناپ تول میں خرابی کا آجانا ناگزیر ہے۔

اقامت کے مذکورہ لغوی اور قرآنی مفہومات سے معلوم ہوا کہ اقامت صلوة سے محض نماز کی ظاہری ہیئت مراد
نہیں، بلکہ نماز کو اس کے جملہ ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے:

۹ مفردات راغب ۴۱۸۔

نقطہ نظر

ولم یامر تعالیٰ بالصلوة حیثما امر
ولامدح به حیثما مدح الا بلفظ
الاقامة تنبیها ان المقصود منها توفیة
شرائطها لالاتیان بهیئاتها.
”اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) جہاں کہیں نماز کا
حکم دیا ہے یا اس کی مدح کی ہے تو اس کے لیے
اقامت کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ استعمال نہیں کیا ہے
صرف اس امر پر متوجہ کرنے کے لیے کہ اقامت سے
مقصود اس کے شرائط کی تکمیل ہے نہ کہ محض اس کی
(مفردات راغب ۴۱۸)

ظاہری ہیئت کی بجا آوری ہے۔“

شرائط نماز میں خصوصیت کے ساتھ تین چیزیں داخل ہیں، محافظت نماز، مداومت نماز اور تعدیل ارکان۔ اگر ان میں سے کوئی شرط بھی ساقط ہو جائے تو اس پر اقامت صلوة کا اطلاق نہ ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَادْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا
وَقَعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ
فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ. (سورہ نساء: ۱۰۳)

”پس جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور
لیٹے پاؤں کرو، پھر جب تمہیں اطمینان حاصل ہو جائے تو
فارقیموا الصلوة۔ (سورہ نساء: ۱۰۳)“

اس آیت کا تعلق حالت جنگ کی نماز سے ہے جو ایک رکعت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس مختصر نماز کے لیے اقامت کا لفظ استعمال نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تعدیل ارکان، جو شرائط نماز میں سب سے اہم شرط ہے، مفقود ہے۔ اس کے علاوہ رکعتوں کی تعداد بھی کم ہے۔ اسی لیے حکم دیا گیا ہے کہ جب اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قائم کرو، یعنی اس کو جملہ شرائط کے ساتھ ادا کرو۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اقامت کا اطلاق اسی نماز پر ہوگا جس میں جملہ ارکان نماز کامل اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کیے جائیں، عدم اطمینان کی حامل نماز پر اقامت کا اطلاق نہ ہوگا۔

اسی مفہوم میں ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ
فَادْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ
تَكُونُوا تَعْلَمُونَ. (سورہ بقرہ: ۲۳۹)

”اگر تم کو خطرہ درپیش ہو تو پیدل اور سوار، دونوں
حالتوں میں نماز ادا کرو، اور جب خطرہ جاتا رہے تو
خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تم کو سکھایا
جس کو تم نہیں جانتے تھے۔“

اس آیت میں ”كَمَا عَلَّمَكُم“ سے محض نماز کی ظاہری ہیئت کی تعلیم مراد نہیں، بلکہ شرائط نماز کی طرف بھی اس

میں اشارہ ہے۔ گویا حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ حالت خوف رفع ہو جانے کے بعد نماز اس کے تمام ارکان سمیت کامل اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کی جائے۔ جو لوگ نماز کی ظاہری ہیئت ہی پر اکتفا کرتے ہیں اور شرائط نماز سے غفلت برتتے ہیں، یعنی نہ تو نماز اس کے صحیح وقت پر ادا کرتے ہیں (محافظت صلوٰۃ)، نہ اس پر مداومت اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے جملہ ارکان اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کرتے ہیں، وہ مصلیٰ تو ضرور ہیں، لیکن ان کو مقیم صلوٰۃ نہیں کہا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”ان المصلین کثیر والمقیمین قلیل۔“ (مصلیٰ (نمازی) تو بہت ہیں، لیکن مقیم نماز (یعنی

منہاجہ) اس کے حقوق ادا کرنے والے) بہت تھوڑے

ہیں۔“

نماز باجماعت کا اہتمام بھی اقامت صلوٰۃ میں داخل ہے، جیسا کہ درج ذیل آیت سے بالکل واضح ہے:

”وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمْ مِمَّا بَمِصْرَ بِيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ.“ (سورہ یونس: ۱۰۷) اہل ایمان کو بشارت دے دو۔“

اس آیت میں چند گھروں کو قبلہ بنا لینے اور ان میں اقامت صلوٰۃ کے حکم سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دراصل قوم موسیٰ کو نماز باجماعت کے اہتمام کی ہدایت کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ اقامت کے اس مفہوم کو اور واضح کر دیا گیا ہے:

”وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا.“ (سورہ نساء: ۱۰۴)

پڑھے۔“

دیکھیں، اس آیت میں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھانے کا ذکر ہے وہاں اقامت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ) اور جہاں مقتدیوں کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے وہاں اقامت کے

نقطہ نظر

بجائے تہلیلہ کا لفظ آیا ہے (فلیصلوا معک) اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اقامت صلوٰۃ میں نماز باجماعت شامل ہے۔ حدیث سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے، اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”صفوں کو سیدھا کرو، کیونکہ صفوں کو سیدھا کرنا من اقامۃ الصلوٰۃ۔ (بخاری و مسلم)

”صفوں کو سیدھا کرو، کیونکہ صفوں کو سیدھا کرنا اقامت صلوٰۃ میں داخل ہے۔“

حقیقت صلوٰۃ

نماز دراصل خدا کی یاد اور اس سے قلبی و ذہنی تعلق کا ایک محسوس خارجی اظہار ہے۔ جس قدر یہ تعلق قوی ہوگا اسی قدر اس کی یاد بھی قوی ہوگی۔ خدا کی یاد کو قرآن مجید میں ذکر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے:

إِنِّى أَنَا اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِى وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِى. (سورہ طہ ۱۴:۲۰)

”بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الٰہ نہیں الصلوٰۃ لِدِکْرِى۔ پس تم میری ہی بندگی کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔“

دوسری جگہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُودِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلَیْ ذِکْرِ اللّٰهِ. (سورہ جمعہ ۹:۶۲)

”اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن کی نماز کے لیے پکارا جائے (یعنی اذان دی جائے) تو اللہ کے ذکر کی طرف تیز گامی کرو۔“

ایک اور جگہ فرمایا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ. (سورہ بکبوت ۴۹:۲۵)

”بے شک نماز بری باتوں اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے۔“

ذکر خدا کو قرآن مجید میں بعض مقامات پر خدا کا نام لینا بھی کہا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكٰى، وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلٰى. (سورہ اعلیٰ ۸۷:۱۴-۱۵)

”کامیاب ہوا وہ شخص جس نے خود کو پاک کیا اور اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔“

دوسری جگہ ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهُ. (سورہ بقرہ ۱۱۴:۲)

”اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا کے گھروں میں اس کا نام لینے سے روکیں۔“

نماز کے لیے خدا کا نام لینا ایک قدیم مذہبی تعبیر ہے۔ تورات میں ہے:

”اور ابراہیم وہاں سے کوچ کر کے اس پہاڑ کی طرف گیا جو بیت ایل (بیت اللہ) کے مشرق میں ہے اور اپنا ڈیرا اس طرح لگا یا کہ بیت ایل مغرب میں اور عیٰ مشرق میں پڑا، اور وہاں اس نے خداوند کے لیے ایک قربان گاہ بنائی اور اس کا نام لیا۔“ (کتاب پیدائش، باب ۱۲: ۸-۹)

کتاب پیدائش ہی میں ایک دوسرے مقام پر ہے:

”اسحاق نے وہاں ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند کا نام لیا۔“ (کتاب پیدائش، باب ۲۶: ۲۵)

ذکر کا مفہوم صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ خدا کا نام زبان پر آجائے بلکہ یہ بات بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ اس کی بے حد بڑائی بیان کی جائے، اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس سے قرب و محبت کا بے تابانہ اظہار ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ
كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا.
(سورۃ بقرہ ۲: ۲۰۰)

”جب تم اپنے حج کے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جس طرح تم پہلے اپنے آبا و اجداد کو یاد کرتے رہے ہو، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اس کو یاد کرو۔“

دوسری جگہ فرمایا ہے:

فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ
وَأَذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ.
(سورۃ بقرہ ۲: ۱۹۸)

”مشعر حرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس طرح اس کو یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔“

ایام جاہلیت میں اہل عرب کا معروف دستور تھا کہ وہ حج کے اختتام پر مشعر حرام اور منیٰ میں جلسے منعقد کرتے تھے۔ ان جلسوں میں ہر قبیلہ کے شعرا اور خطبا اپنے اپنے قبائل کے مفاخر و محامد بالخصوص آبا و اجداد کی شجاعت و بسالت اور ان کی فیاضی و سیرچشمی کے واقعات کو شعر و خطابت کی شکل میں خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے تھے۔ آیات مذکورہ میں ان اعمالِ تفاخر سے باز آجانے کے لیے کہا گیا ہے اور ساتھ ہی حکم دیا گیا ہے کہ اب باپ دادا کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے خداے بزرگ و برتر کی عظمت و کبریائی بیان کی جائے اور اجداد کی تعریف سے کہیں بڑھ کر اس کی تعریف و توصیف کی جائے کہ اس کائنات میں وہی ایک ہستی ایسی ہے جو فی الواقع ہر طرح کی تعریف و ستائش کے لائق ہے۔

ذکر کے اس مفہوم کی تائید ان آیات سے بھی ہوتی ہے جن میں نماز کے لیے تسبیح کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً

ایک جگہ فرمایا ہے:

نقطہ نظر

”اور اپنے رب کی اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ
الشمسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ
آفتاب کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے، اور
فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ. (سورہ طہ: ۲۰-۱۳۰)
رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح کرو اور دن کے
اطراف میں بھی۔“

دوسری جگہ ہے:

”اور شب میں اور ستاروں کے پلٹنے کے وقت
وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ.
(سورہ طور: ۵۲-۴۹)
(وقت سحر) اس کی تسبیح کرو۔“

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

”اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔“
وَسَبِّحْهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا.
(سورہ اتراب: ۳۳-۴۲)

ان آیات میں نماز پڑھنے کو خدا کی تسبیح سے تعبیر کیا گیا ہے، اور تسبیح کے معنی خدا کی پاکی اور اس کی بڑائی بیان کرنے کے ہیں۔ ایشی کہتا ہے:

وَسَبِّحْ عَلَى حِينِ الْعِشْيَانِ وَالضُّحَى وَلَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ وَاللَّهُ فَاعْبُدَا
”صبح اور شام کے اوقات میں تسبیح کرو اور شیطان کی عبادت مت کرو، بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو۔“

روایت ہے کہ ایک بار معاویہ بن حکم سلمی، جو جلد ہی مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، شریک نماز تھے۔ کسی مسلمان کو چھینک آئی تو انھوں نے، جیسا کہ انھیں تعلیم دی گئی تھی، یرحمك اللہ، کہہ دیا۔ صحابہ نے ان کو خوشگین نگاہوں سے دیکھا۔ انھوں نے نماز ہی میں کہا: تم لوگ مجھے اس طرح کیوں گھور کر دیکھتے ہو؟ صحابہ نے اپنے زانو پر ہاتھ مارے اور سبحان اللہ کہا تب جا کر وہ سمجھے کہ بولنے سے منع کیا جا رہا ہے۔ نماز ہو چکی تو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، نماز میں کون باتیں کر رہا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا، معاویہ۔ آپ نے ان کو پاس بلا کر نہایت نرمی سے فرمایا: نماز، قرآن

۱۔ تسبیح قول سے بھی ہوتی اور عمل سے بھی۔ قولی تسبیح کا مطلب خدا کی یاد اور اس کی بڑائی بیان کرنا، اور عملی تسبیح کا مطلب اس کی فرماں برداری ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زمین اور آسمانوں کی تسبیح کا ذکر ہے وہاں اس سے مراد عملی تسبیح ہے، یعنی خدا کے حکم کی تعمیل جو ان کا طبعی وظیفہ ہے۔ انسان سے دونوں طرح کی تسبیح مطلوب ہے۔ نماز میں قولی اور عملی دونوں تسبیحیں جمع ہیں، جیسا کہ کلمات نماز (مثلاً، اللہ اکبر، سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا لك الحمد، سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلیٰ) اور رکوع و سجدہ کے اعمال سے بالکل واضح ہے۔

پڑھنے، اللہ کو یاد کرنے اور اس کی پاکی و بڑائی بیان کرنے کا نام ہے، اس میں باتیں کرنا مناسب نہیں^{۱۲}۔
حقیقت نماز کا دوسرا قابل ذکر پہلو دعا ہے، یعنی قادر مطلق اور علیم و خیر خدا کو پکارنا اور اس سے درخواست اور التجا کرنا۔ حضرت نعمان بن بشیر انصاری سے مروی ہے کہ ایک بار آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الدعاء هو العبادۃ^{۱۳} ”دعا ہی عبادت ہے“ اور اس کے بعد یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ
الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي
سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذَٰخِرِينَ.
”تمہارے رب کا ارشاد ہے، مجھے پکارو، میں
تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ میری
عبادت سے روگردانی کرتے ہیں وہ عنقریب رسوا ہو
کر جہنم میں داخل ہوں گے۔“ (سورہ مؤمن ۶۰:۴۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور ارشاد سے حقیقت نماز کے اس دوسرے پہلو کی تائید ہوتی ہے، فرمایا:
”نماز دو رکعت کر کے ہے اور ہر دوسری رکعت میں تشہد اور گریہ و زاری ہے، خشوع و خضوع ہے، عاجزی اور
مسکنت ہے اور ہاتھ اٹھا کر اے رب، اے رب کہنا ہے۔ جس نے ایسا نہ کیا تو اس کی نماز ناقص رہی۔“
(ابوداؤد، باب: صلوٰۃ النہار، ترمذی، باب: ما جاء فی التفتیح فی الصلوٰۃ)

صلوٰۃ اور عقیدہ توحید

حقیقت نماز کے مذکورہ بالا پہلوؤں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ دراصل اسلام کے عقیدہ توحید کا عملی اظہار ہے۔ سورہ فاتحہ نماز کا ایک لازمی جز ہے اور تمام تر توحیدی تعلیم پر مشتمل ہے۔ اسی سورہ میں یہ فقرے موجود ہیں:
’ایاک نعبد وایاک نستعین‘ ”ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔“ ہر نمازی اپنی زبان سے روزانہ کم از کم پانچ بار ان الفاظ کو دہراتا ہے اور ان کے ذریعہ خدا سے اس کی عبادت و استعانت کا عہد باندھتا ہے اور غیر خدا کی عبادت و استعانت سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کر دوں کہ ’ایاک نستعین‘ میں ’واو‘ بیان کا ہے، یعنی ’ایاک نعبد‘ کی تشریح کے لیے لایا گیا ہے کہ استعانت عبادت کے مفہوم میں داخل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مافوق الطبیعی طور پر خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو حاجات و مصائب میں مدد کے لیے پکارنا اس کی عبادت کے مترادف ہے۔

^{۱۲} سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ۔

^{۱۳} سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء۔

شرک کی بنیاد ہمیشہ سے اس غلط خیال پر قائم رہی ہے کہ اس کائنات میں خدا کے علاوہ اس کی بعض مخلوقات، مثلاً فرشتے، سیارے اور بعض وفات یافتہ نیک لوگ (انبیاء و اولیاء)، بھی صاحب قوت ہیں اور وہ بندوں کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں، اور یہ اختیار ان کو خدا نے عطا کیا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں اس مشرکانہ خیال کی تردید کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو خدا اس کائنات کا خالق و مالک ہے وہی اس پر مکمل اختیار و تصرف رکھتا ہے۔ اس کے سوا اس کائنات خلقت میں کوئی دوسرا وجود ایسا نہیں جو نظام عالم میں تصرف تو کجا بذات خود کسی نوع کا کوئی ادنیٰ اختیار و اقتدار بھی رکھتا ہو۔ اور ایسا بھی نہیں کہ خدا نے اپنے اقتدار اعلیٰ کا کوئی حصہ اپنی کسی مخلوق کی طرف منتقل کر دیا ہو اور وہ صاحب اختیار بن گئی ہو۔ اس نوع کی شرکت اقتدار سے نظام جہاں نا آشنا ہے۔ فی الواقع نظام عالم پر ایک ہی خدا غالب و مستولی ہے۔ وہی حاکم و آمر ہے، وہی نافع و ضار ہے، وہی مشکل کشا، حاجت روا اور فریادرس ہے۔ اس کائناتی حقیقت کو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر واضح لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً:

الَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، اذْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. (سورۃ اعراف: ۵۴-۵۵)

”دین لو اخلق اور امر دونوں اسی کے لیے خاص ہیں۔ بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، تمام جہانوں کا آقا اور پرورش کنندہ۔ اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو۔ وہ یقیناً حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

ذَلِكَ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ، اِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ. (سورۃ فاطر: ۳۵-۱۳-۱۲)

”وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اقتدار و بادشاہی اسی کی ہے۔ اسے چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے بھی مالک نہیں (یعنی بالکل بے اختیار ہیں) اگر تم انہیں پکارو تو وہ (بذات خود) تمہاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر (کسی خدائی ذریعہ سے) سن بھی لیں تو کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اور قیامت کے روز وہ تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے۔ ایک بانجر کے سوا کوئی دوسرا تمہیں (ان حقائق سے) آگاہ نہیں کر سکتا۔“

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا

”اور کہو کہ شکر و ستائش کا سزاوار ہے وہ اللہ جس کے

نقطہ نظر

نہ کوئی اولاد ہے اور نہ اس کے اقتدار و حکومت میں اس کا کوئی سا جھی ہے، اور نہ اس کے عجز کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے، اور اس کی بڑائی بیان کر دجیسا کہ اس کا حق ہے۔“

”اور لوگوں میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے ہم سر ٹھہراتے ہیں، جن سے وہ محبت کرتے ہیں بالکل خدا کی محبت کی طرح۔ لیکن جو لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ خدا سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور اگر یہ ظالم دیکھ سکتے اس حالت کو جب عذاب سے دوچار ہوں گے تو ان کو اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ساری قوت اور کل اختیار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اور اللہ نہایت سخت سزا دینے والا ہے۔ اس وقت کا خیال کرو جب قائد اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے، اور وہ عذاب سے دوچار ہوں گے اور ان کے تعلقات کا تانا بانا ٹوٹ چکا ہوگا۔ اور پیر و کہیں گے کہ اے کاش، ہمیں ایک بار دنیا میں واپس جانے کا موقع ملتا تو ہم بھی ان سے اسی طرح بیزاری دکھاتے جس طرح انھوں نے ہم سے بیزاری دکھائی ہے۔ اسی طرح اللہ ان کے اعمال ان کو دکھائے گا جو ان کے لیے موجب حسرت و پشیمانی ہوں گے۔ اور ان کو دوزخ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔“

[باقی]

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وُلِيٌّ مِنَ الدَّلِّ وَكَبْرَهُ تَكْبِيرًا.
(سورہ بنی اسرائیل ۱۷: ۱۱۱)

وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ، إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ، وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّا كَرَّرْنَا فَتَنَآ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأْنَا مِنَّا كَذَلِكَ يَهْتُمُّ اللَّهُ بِأَعْمَالِهِمْ حَسْرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ. (سورہ بقرہ ۲: ۱۶۵-۱۶۷)